تصنیف :۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ
املا و ترجمہ :۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ

ترجمہ خیر کثیر

دسواں خزانہ

مختلف فوائد میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت ۷۳ فرقے ہو جائے گی، ان میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور باقی فرقے دوزخ میں" ہمارے نزدیک سُنّی وہ شخص ہے جو علماً اور عملاً (علم اور عمل کے لحاظ سے) سنت کے موافق ہے۔ اور یہ جنت [illegible] (بغیر حساب اور مواخذہ کے) اول داخل ہوگا۔

متکلمین نے جو بدعتیں بنائیں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور (ہمارے نزدیک) ان کا اتباع ضروری نہیں ہے اور اسی طرح قیاسی شریعتیں ہمارے نزدیک اطمینان بخش نہیں ہیں۔ شیخ ابو الحسن اشعری کے مذہب کی ہمارے نزدیک ایک بڑی وقعت ہے اور اس کا مذہب صحابہؓ کے مذہب کی تمثال ہے اور وہ ارادہ متجددہ کے نیچے نکلتا ہے۔ اور یہی ارادہ متجددہ شیخ کے ارادوں کا مالک ہے، اس لئے اس کی نظریہ ہے کہ ہر تفصیل زیادہ لغو سمجھی جائے۔ اور جب تو صحابہ کی معرفت میں قدم رکھے گا تو اس مذہب کو تحقیق سے معیّن کر لے گا۔

شیخ جہاں کہتا ہے کہ وجود عین ماہیت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود اور عدم بسیط کی دو حالتوں میں فرق کا مناط وہ چیز بنفسہٖ ہے اور جب کہتا ہے کہ اسم عین مسمّی ہے تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ وہ اس پر صادق آتا ہے اور اس کا عنوان ہے، اور جہاں کہتا ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں تو اس کا مطلب ہے اس اسم حادث کے لحاظ سے اور اس اسم کے اعتبار سے حکیم بھی ان کو فضیلت دیتا ہے جیسے کہ تو دیکھ چکا۔ خصوصًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔

اور وہ حدیث جو ابن ماجہ نے روایت کی ہے، اس میں انبیاء سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جن کے اسم میں سبوغ اور ظہور زیادہ ہے۔ اور جہاں شیخ کہتا ہے کہ حسن و قبح شرعی ہیں تو اس کی مراد اس تحقق حادث کے حساب سے ہے۔ اور ہمارے نزدیک ... فیصل یہ ہے کہ ہر شے اچھی یا بری ہے ازل کے حساب سے اور بعض عقلیں ایسی ہیں کہ اس علم کو بیان کر دیتی ہیں، ظاہر کر دیتی ہیں۔ جب شریعت ظاہر ہوئی تو اس کے لئے دوسری قسم کا حسن و قبح ثابت ہوگا۔ شیخ فقط ان پچھلے حسن و قبح کو دیکھتا ہے اور معتزلہ قاصر رہے ہیں اس لئے کہ وہ اصحاب کی تقلید نہیں کرنا چاہتے۔ اور اپنی سمجھ کے مطابق حکم کرتے ہیں۔

جب شیخ کہتا ہے کہ انبیاء معصوم ہیں، یہ حکیم کے مذہب سے پوری واقفیت رکھتا ہے جہاں حکیم کے نزدیک عصمت کے کئی طبقے ہیں اور عصمت سے فقط بڑے گناہ ممنوع ہو جاتے ہیں ہمارے نزدیک۔ اور صغائر کا اثر فقط اتنا ہوتا ہے کہ نفس میں تعلق پیدا کر دیتا ہے۔

جہاں شیخ خلق افعال کا قائل ہے اور استطاعت کو فعل کے ساتھ مانتا ہے تو وہ اس میں حق پر ہے۔ کیا جس کا بیان ہم کر چکے ہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام ممکنات اللہ کی طرف ایسی مستند ہیں جیسی ... شمس کی طرف یا اس سے بھی زیادہ تمام اور سبوغ کے ساتھ تو تجھے سمجھنا چاہئے کہ افعال ... ایسے ہیں لیکن شیخ بسبب اُمّی مزاج ہونے کے یہ کہتا ہے کہ وہ صفات اور اسماء حقیقی ہیں اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے۔

جہاں کہتا ہے کہ معاد میں عذاب قبر ہوگا، حساب اور میزان اور شفاعت کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ اس میں حق پر ہے۔ اس کی مراد ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور جب کہ نفس ناطقہ کے لئے تجرد کا قائل ہے تو اس میں بھی وہ حق پر ہے جیسے گزرا۔

اور جب وہ عالم کے حدوث زمانی کا قائل ہے اور حادث کے لئے حدوث کو شرط مانتا ہے،

تو یہ سب کچھ اس کے امّی مزاج ہونے کا نتیجہ ہے اور اسے ارادہ متجددہ کے نیچے اضمحلال حاصل ہو چکا ہے اور اس مطلب کو بتلانے کے لئے کہتا ہے کہ ارادہ قدیم ہے اور تعلقات حادث ہیں۔

اور جب کہ وہ الاصبع (انگلی) الیمین (دایاں ہاتھ) اور الوجہ کو صفات میں شمار کرتا ہے تو یہ اس کے امّی مزاج ہونے کے باعث ہے۔

جہاں شیخ کہتا ہے کہ نبی کے لئے کسب اور استعداد کی شرط نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے کسب کی محنت نہیں کرنی پڑتی اور شیخ کی امیت کا نتیجہ ہے کہ وہ استعداد کو شمار نہیں کرتا جیسا کہ تو نے معلوم کیا۔

ایمان، اسلام اور تصدیق میں جس قدر اختلاف ہوا وہ سب لفظی ہے معنی کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ باوجود اس کے صحیح یہی ہے جو اشاعرہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ صدرِ اول کی اصطلاح ہے اور ہم اسے آگے بیان کریں گے۔

خلافت تیس سال ہے اور افضل امت ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ پھر عثمانؓ علی الترتیب ہیں۔

کبیرہ کا مرتکب ایمان اقراری سے خارج نہیں ہوتا۔ یہ چوبیس مسئلے کے قریب ہیں جس میں ہم نے اہلسنت کی حقیقت کو بیان کر دیا ہے اور یہی زیادہ حصہ ہے جس میں دوسرے مذہبوں سے علحدہ ہوئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تو اس حالت کو تحقیق سے سمجھے جس پر صحابہؓ تھے تو حقانیت صرف مذہب اشاعرہ میں نظر آئے گی۔ اور یہی چیز ہے جس کا ماننا مقلدین کے لئے ضروری ہے (یعنی محققین اپنے رائے پیدا کر سکتے ہیں) تو ہر مقلد فرد جو اس کی تقلید سے انکار کرے وہ غلطی پر ہے۔

اعمال میں واجب یہ ہے کہ حدیثوں کی تفتیش کی جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے اس میں سمجھ بھی ہونی چاہئے اور معانی کی درایت بھی ہونی چاہئے۔

حکیم کوئی قیاس قبول نہیں کرتا مگر قیاس جلی یا ایسا قیاس خفی جس میں مصلحت عامہ ہو۔ رائے میں بہت تعمق کرنے والی جماعتیں اہل سنت میں نہیں شمار ہوتیں۔

یہ جو چار مذہب ہیں ان میں سے سنت سے زیادہ اقرب شافعیؒ کا مذہب ہے جب کہ اس کی تنقیح اور تصفیہ کیا جائے۔ امام شافعیؒ کی نظر علل اور اسباب کی حقیقت کو زیادہ پہنچتی ہے۔

جان لو کہ اختلافِ صحابہ کسی امر کی حکایت کرنے میں کئی قسم پر ہیں :-

۱۔ اختلاف روایت بالمعنی کی وجہ سے۔ اختلاف اکثر یہی ہوتا ہے۔

۲۔ حذف کی وجہ سے اختلاف، ایک ان میں سے ایک حصہ کلام کا حذف کر دیتا ہے اور دوسرا ذکر کر دیتا ہے۔

۳۔ وہم کا اختلاف، جیسے کہ ابن عباسؓ نے کہا: "تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبیک فرمایا جس وقت اونٹنی پر سوار ہوئے اور (اسی طرح) جب ٹیلے پر چڑھے تو لبیک فرمایا" اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ آپؐ نے اس وقت احرام فرمایا جس وقت آپؐ کی اونٹنی آپ کو لے کر اٹھی۔ اور بعض نے یہ وہم کیا کہ آپؐ جس وقت ٹیلے پر چڑھے تو احرام فرمایا۔ حالانکہ آپؐ نے اس وقت حج کو فرض فرمایا جس وقت آپ نے مسجد ذی الحلیفہ میں دو رکعتیں نماز پڑھی تھی۔

۴۔ اختلافِ نسیان، ایک حرف کی جگہ غلطی سے دوسرا حرف کہہ جائے۔ جیسے کسوف کے قصے میں، ایک نے کہا مرد اور دوسرے نے کہا عورت۔

قرآن شریف کے شانِ نزول بیان کرنے میں ان کا اختلاف اسی سبب سے ہوتا ہے کہ وہ جب ایک آیت کی تفسیر کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لئے ایک قصہ فرض کرتے ہیں جو اس کا مصداق ہو یا ایک قصہ ایسا نقل کرتے ہیں جو اس آیت کی جزئیات میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا تھا، تو کہنے والا یوں کہتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔

صحابہ کا اختلاف کسی آیت کے نزول کا وقت بیان کرنے میں اس سبب سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی موقعہ پہ ایک آیت استشہاداً یا استنباطاً ذکر فرماتے ہیں تو سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس وقت نازل ہوئی۔

صحابہ کا اختلاف مذہب میں اس سبب سے پیدا ہوا کہ وہ سنتوں کے اخذ کرنے میں مختلف تھے۔ ان میں سے ایک، ایک سنت کو اختیار کرتا ہے اور دوسرا دوسری کو اور یا اس لئے ہوتا ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنتا ہے اور ایک عمل دیکھتا ہے تو وہ اس کی علت اور وجہ دوسری مقرر کرتا ہے۔

مصلحتوں میں جو اختلاف ہے وہ زمان، مکان اور رائے کے اختلاف سے بدلتی ہی رہتی ہیں۔ اور اس حساب سے جواب مختلف ہوتے رہتے ہیں اور راویوں کی نظر میں اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے۔

صحابہ کا درجہ ان کے کمال میں مختلف ہے۔ ان میں سے ایک تو متوحد معتدل ہیں۔ اور ان میں سے ایک خلیفہ ہے، ایک فقیہ ہے، ایک افقہ ہے۔ اور بعض قسم ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور صحابہ کا اختلاف ان کے بعد آنے والے لوگوں کے اختلاف کا سبب بن گیا۔ فتدبر

جس مسئلے میں تنبیہ کی ضرورت ہے، ایک یہ ہے اصل ایمان کی تفصیل تو یہ ہے، خدا کی تابعداری کرنا دل سے اور بدن سے اور یہ امر ایک قسم کی حکمت، عصمت اور وجاہت کا تقاضا کرتا ہے اور اس لئے نشأت دنیا ایک قسم کا حاجب ہے۔ اور کفر کی اصل ہے اللہ کی تابعداری نہ کرنا نہ تو دل سے اور نہ بدن سے اور یہ تقاضا کرتا ہے ان صفات کے اضداد کو۔ اور جب شریعتوں میں حدیں مقرر ہوئیں تو شہادتین کا نام ایمان قرار دیا گیا اور شہادتین کے انکار کا نام کفر۔ تو اس اصطلاح کے حساب سے ایمان فقط قول کا نام ہے اور کفر اس کے انکار کو کہتے ہیں، اور انہیں دونوں اصطلاحوں پر امن اور جہاد کا حکم متفرع ہوتا ہے۔

شریعت میں ایک دوسری اصطلاح ہے اس کے حساب سے ایمان فقط اس آدمی میں پایا جائے گا جس میں یہ صفات متحقق ہو چکی ہوں، یعنی حکمت، عصمت، وجاہت وغیرہ تو اس کے مقابل کا جو قسم ہے اس کو منافق اور مریض القلب کہا جاتا ہے۔

اب یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شرع کی عرف میں منافق دو معنوں پر بولا جاتا ہے۔ ایک جو شخص دل سے اور زبان سے اللہ اور رسول کی بات مانتا ہو، مگر زبان اور فرج اور قلب وغیرہ سے گناہ صادر ہوئے جو اسے احاطہ کر چکے ہیں، ان لوگوں کے قلبی امراض میں سے ہے شرک باللہ

یعنی غیر اللہ سے حوائج طلب کرنا اور غیر اللہ کی عبادت کرنا، اس کے نام پر ذبح کرنا، اس کے لئے نذریں اور قسمیں مقرر کرنا جب تک کہ اللہ اور یوم آخر کا انکار ان سے صادر نہ ہو اور اسی طرح رسول کا انکار یا اس کی تابعداری کا انکار بھی صادر نہ ہو۔ یہ قسم منافقوں کی بہت پیچیدہ حکم رکھتی ہے۔ وہ جنت میں انشاء اللہ جائیں گے لیکن عذاب کے بعد اور دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ اس لئے کہ وہ اللہ اور رسول کی پناہ میں آنے والے ہیں اگرچہ انھوں نے غلطیاں کیں۔ یہ اس حالت میں ہے کہ ان کی طرف نیا رسول مبعوث نہ ہوا۔ پس جب رسول نیا آیا اور اس نے ان منافقوں کو ان کی غلطی پر جو شرک وغیرہ کی صورت میں صادر ہوتی ہے متنبہ کیا اور انھیں سمجھا دیا وضاحت سے۔ اس کے بعد انھوں نے اس کی تکذیب کی اور ان پر حجت نبی کے ذریعہ قائم ہے تو پھر یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اس قسم میں سے تھے یہود اور نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو ان پر حجت ثابت ہوگئی۔ اور اس کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔

اور قلب کے امراض میں سے ہیں حسد اور بغض اور شہوت کا اتباع اور اسی قسم کے گناہ۔ ان کی طرف اشارہ ہے علامۃ النفاق کی حدیثوں میں۔ ہاتھ پاؤں کے جو گناہ ہیں وہ تو گنتی سے زیادہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کا گناہ اس کو لپیٹ گیا یعنی اسے گناہ میں ایک طرح کی فنا حاصل ہوگئی تو اسے ہم اس پہلے معنیٰ کے موافق منافق کہتے ہیں اور اس سے صحابہ ڈرا کرتے تھے۔

دُوسرا جو دل سے تکذیب کرتا ہے اور زبان سے تصدیق کرتا ہے وہ دوزخ کے نچلے درجے میں ہوگا اور ان کے حق میں نازل ہوئی یہ آیۃ استغفرت لھم الآیۃ اور خلاصہ یہ ہے کہ منافق کا لفظ مشترک ہے۔ اور اس تحقیق کو نظرانداز کرنے سے فقہاء اور متکلمین ایک خبط میں پڑ گئے ہیں جب کہ کفر کے لئے خاص خاص احکام شرع میں بیان نہیں کئے گئے، سب کے لئے ایک حکم بتایا گیا ہے کہ وہ دوزخ میں جائیں گے اس اصطلاح کے مطابق وہ کسی ایک معنی کے لئے مخصوص نہیں رکھے گئے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ بعض کفار سے عذاب کی تخفیف کی جائے گی تو اس سے وہ قسم مراد ہے جو کافروں میں ایسا ہے جیسے مؤمنین میں منافق۔ فتدبّر

جناب ابوشاہد خاں

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی سیاسی تربیت

جنوری ۱۸۹۱ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ **دارالعلوم دیوبند** اور کانپور، رامپور، گنگوہ اور دارالحکومت دہلی کے اہل علم اور اصحاب درس وتدریس سے اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد سندھ تشریف لائے۔ حضرت سید العارفین محمد صدیق علیہ الرحمہ اس وقت رحلت فرما چکے تھے، چند ماہ بھرچونڈی میں قیام کے بعد مئی میں حضرت سید العارفین کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمودؒ کے پاس امروٹ چلے گئے۔ ان کا برتاؤ مولانا کے ساتھ ایک شفیق باپ اور مربی کا برتاؤ تھا۔ انھوں نے مولانا کی شادی کرائی، گھر دیا، مطالعے کے لئے ایک کتب خانہ قائم کردیا۔ تقریباً آٹھ سال تک مولانا سندھیؒ مرحوم نہایت اطمینان ویکسوئی کے ساتھ مطالعے، اشتغال واذکار اور طلبہ کی ایک جماعت کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ سے عقیدت اسی زمانے میں مولانا سندھیؒ مرحوم نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے حالات اور ان کی تحریک احیائے دین اور دعوت اتباع سنت کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ چونکہ مولانا سندھی مرحوم کا رجحان شروع ہی سے مولانا شہیدؒ کی جانب تھا اور ان سے ایک قلبی تعلق رکھتے تھے۔ پھر دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں ان

کے بہت سے واقعات وحکایت سننے میں آئی تھیں جن سے ان کی عقیدت کا نقش دل پر اور گہرا ہوگیا تھا۔ پھر دہلی میں مولانا عبدالکریم دیوبندی سے تعلیم کے زمانے میں سقوطِ دہلی کے بہت سے چشم دید حالات سنے تھے ان سے ان کا دل بہت متاثر ہوا تھا اور اس وقت سے دارالحکومت دہلی کی سیاسی وعلمی مرکزیت اور تاریخی اہمیت ان کی نظر میں بہت بڑھ گئی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"میرا دماغ بچپن سے خاندانی عورتوں کی صحبت میں انقلاب پنجاب کے تکلیف دہ حالات سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں ایک قسم کا ایک انقلاب آیا اور پہلے جو کچھ لاہور کے لیے سوچتا تھا اب دہلی کے لئے سوچنے لگا۔"

سیاسی کام کی ابتدا اس طرح رفتہ رفتہ مولانا سندھی مرحوم کا ذہن شاہ اسماعیل شہیدؒ کی انقلابی تحریک کی رُوح سے آشنا ہوگیا۔ اب تعلیم سے فراغت کے بعد امروٹ میں اپنے قیام کے دوران شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک اور اس کے منبع فیض سے خاص واقفیت کا موقع ملا تو مولانا نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مکتوبات سے استفادہ کرکے ایک مختصر سیاسی پروگرام بھی مرتب کرلیا جو خود مولانا سندھی مرحوم کے بیان کے مطابق اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی۔ مگر برصغیر پاک و ہند کے باہر کے مسلمانوں کی تحریک سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس پروگرام کے مطابق مولانا نے چار طلبہ کی ایک جماعت بنا کر کام بھی شروع کردیا۔

دیوبند کا سفر ۱۸۹۹ء میں مولانا سندھی مرحوم نے دیوبند کا سفر کیا۔ مولانا نے اپنے مطالعے اور فکر کے نمونے کے طور پر علم حدیث اور فقہ حنفی میں دو رسالے مرتب کئے تھے۔ وہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت نے انھیں دیکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ بعض مسائل جہاد کے سلسلے میں مولانا کے خیالات سنے اور ان کے سیاسی پروگرام سے واقف ہوئے تو چند اصلاحات کا مشورہ دے کر ان کے پروگرام کو تحریک اسلامی کی ایک کڑی بنا دیا اور اس کام کو جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں:

"اس کے بعد میرے تعلیمی وسیاسی تمام مشاغل حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے وابستہ رہے۔"

کے بہت سے واقعات وحکایت سننے میں آئی تھیں جن سے ان کی عقیدت کا نقش دل پر اور گہرا ہوگیا تھا۔ پھر دہلی میں مولانا عبدالکریم دیوبندی سے تعلیم کے زمانے میں سقوطِ دہلی کے بہت سے چشم دید حالات سنے تھے ان سے ان کا دل بہت متاثر ہوا تھا اور اس وقت سے دارالحکومت دہلی کی سیاسی وعلمی مرکزیت اور تاریخی اہمیت ان کی نظر میں بہت بڑھ گئی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں :

"میرا دماغ بچپن سے خاندانی عورتوں کی صحبت میں انقلاب پنجاب کے تکلیف دہ حالات سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں ایک قسم کا ایک انقلاب آیا اور پہلے جو کچھ لاہور کے لیے سوچتا تھا اب دہلی کے لیے سوچنے لگا۔"

سیاسی کام کی ابتدا اس طرح رفتہ رفتہ مولانا سندھی مرحوم کا ذہن شاہ اسماعیل شہیدؒ کی انقلابی تحریک کی روح سے آشنا ہوگیا۔ اب تعلیم سے فراغت کے بعد امروٹ میں اپنے قیام کے دوران شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک اور اس کے منبع فیض سے خاص واقفیت کا موقع ملا تو مولانا نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مکتوبات سے استفادہ کرکے ایک مختصر سیاسی پروگرام بھی مرتب کرلیا جو خود مولانا سندھی مرحوم کے بیان کے مطابق اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی۔ مگر برصغیر پاک و ہند کے باہر کے مسلمانوں کی تحریک سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس پروگرام کے مطابق مولانا نے چار طلبہ کی ایک جماعت بناکر کام بھی شروع کردیا۔

دیوبند کا سفر ۱۸۹۹ء میں مولانا سندھی مرحوم نے دیوبند کا سفر کیا۔ مولانا نے اپنے مطالعے اور فکر کے نمونے کے طور پر علم حدیث اور فقہ حنفی میں دو رسالے مرتب کئے تھے۔ وہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت نے انھیں دیکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ بعض مسائل جہاد کے سلسلے میں مولانا کے خیالات سنے اور ان کے سیاسی پروگرام سے واقف ہوئے تو چند اصلاحات کا مشورہ دے کر ان کے پروگرام کو تحریک اسلامی کی ایک کڑی بنا دیا اور اس کام کو جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں :

"اس کے بعد میرے تعلیمی وسیاسی تمام مشاغل حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے وابستہ رہے۔"

جوہر قابل | شیخ الہندؒ نے ان کے سیاسی رجحان، انقلابی ذہن، قوت عمل اور ذہنی و فکری صلاحیتوں کا ان کے زمانہ طالب علمی ہی میں اندازہ کرلیا تھا۔ انھیں توقع تھی کہ اس جوہر قابل سے تحریک آزادئ ہند اور تحریک اتحاد اسلامی کی کامیابی اور برصغیر کے مسلمانوں کے عظیم الشان مستقبل کی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ حضرت کی دُور رس نگاہیں دیکھ چکی تھیں کہ ان کی جماعت کی انقلابی رُوح کو سمجھنے اور حالات و مصالح کے مطابق اسے بروئے کار لانے کی بے پناہ صلاحیتیں مولانا سندھی کے اندر موجود ہیں۔ اس لئے مولانا سندھی آپ کی توجہ اور التفات کے شروع سے مرکز تھے جب وہ سندھ تشریف لائے تب بھی تعلق قائم رکھا اور جب ۱۹۰۹ء میں انھوں نے دیوبند کا سفر اختیار کیا تو گویا انھیں اس تحریک سے وابستہ کرلیا جس کی رہنما خود آپ کی ذات گرامی تھی۔

مطبع و رسالہ کا اجراء | امروٹ واپس تشریف لانے کے بعد تقریباً دُو سال تک مولانا سندھی محمود المطابع کے نام سے ایک مطبع چلاتے رہے جس سے انھوں نے عربی اور سندھی کی بعض نادر کتابیں شائع کیں اور ایک ماہوار رسالہ "ہدایت الاخوان" نکالتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ مطبع و رسالہ کے اجراء سے ان کے سیاسی کاموں میں آسانی پیدا ہوگی لیکن انھوں نے محسوس کیا کہ وقت سیاسی پروگرام کی نشر و اشاعت سے زیادہ اصحاب استعداد کی تعلیم و تربیت کا متقاضی ہے۔ رسالے میں نہ کھُل کر لکھ سکتے تھے نہ اس کے وہ اثرات ہی پیدا ہوسکتے تھے جو کسی صاحب استعداد طالب علم کو تعلیم و تربیت کا موضوع بنانے سے پیدا ہوسکتے ہیں۔ اخبار یا رسالے کے ذریعے تحریک چلانے سے حکومت بھی چوکنی ہوجاتی ہے اور بہت سے وہ اصحاب جو تحریک سے دلچسپی رکھتے ہیں لیکن عزم و استقامت کی خوبی اپنے دامن سیرت میں نہیں رکھتے وہ بھی الگ ہوجاتے ہیں اور تحریک کو ان کی ذات سے جو فائدہ پہنچ سکتا ہے تحریک اس سے محروم ہوجاتی ہے۔

مدرسہ دار الرشاد کا قیام | مولانا سندھیؒ نے حالات و مصالح وقت کا از سر نو جائزہ لیا اور مطبع و رسالہ کے قیام و اجراء اور اس کی افادیت کے مقابلے میں مدرسہ کا قیام اور درس و تدریس کے سلسلے کو زیادہ مفید پایا۔ چنانچہ ۱۹۰۱ء میں مولانا ارشد اللہ صاحب العلم الرابع نے

مولانا کی تجویز کے مطابق گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدرآباد) میں دارالرشاد کے نام سے مولانا سندھیؒ کی تجویز کے مطابق ایک مدرسہ بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ مولانا سندھیؒ سات سال تک کامل انتظامی و تعلیمی اختیارات کے ساتھ اسے چلاتے رہے اور تمام اسلامی علوم وفنون کی درس وتدریس کے ساتھ اپنے سیاسی پروگرام کے مطابق طلبہ کی ذہنی وفکری اور سیاسی تربیت فرماتے رہے۔ اس دوران میں حضرت شیخ الہندؒ سے ان کا برابر تعلق رہا اور حضرت علیہ الرحمۃ مدرسہ کے امتحان کے لئے بھی متعدد بار تشریف لائے۔

جمعیۃ الانصار دیوبند ۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھی مرحوم کو دیوبند بلایا۔ اس سفر میں مولانا سندھی مرحوم کے ساتھ مولانا محمد صادق علیہ الرحمۃ بھی تھے۔ ایک اور رفیق سفر مولانا عبداللہ لغاری مرحوم تھے۔ مولانا لغاری مرحوم نے حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا سندھیؒ کی ملاقات کی روداد ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"اس ملاقات کے موقع پر مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا محمد صادق دونوں حضرات شیخ الہندؒ کے سامنے بیٹھے تھے اور میں ان دونوں حضرات کے پیچھے بیٹھا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ یہ مدرسہ ۱۸۶۶ء میں قائم کیا گیا، میں پہلا شاگرد تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اس موقعہ پر جو تقریر فرمائی تھی وہ مجھے یاد ہے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ

"یہ مدرسہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی شکست کی تلافی کی جائے"

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا "لیکن اب یہ مدرسہ اس اصل مقصد سے ہٹ گیا ہے صرف تدریس کے لئے تو اس قسم کے کئی مدارس قائم ہوگئے ہیں۔ اب کیا کرنا چاہئے جس سے اس مدرسے کے قیام کا اصل مقصد پورا ہو۔ اسی ادھیڑ بن میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سندھ سے ایک شخص آیا ہے جس کی ڈاڑھی خوب گھنی ہے اس نے آکر اس اصل مقصد کی طرف رہنمائی کی ہے۔ بیداری کے بعد میں نے غور کیا تو اس وضع قطع کے سندھ میں دو شخص نظر آئے، ایک مولانا عبیداللہ سندھی اور دوسرے مولانا محمد صادق۔ اس لئے میں نے آپ دونوں کو مشورے کے لئے بلایا ہے۔"

یہ سن کر مولانا عبیداللہ نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس مدرسے کے تمام فارغ شدہ طلبہ کو خواہ وہ اندرون ہند کے ہوں خواہ بیرون ہند کے دستار بندی کے جلسے میں شرکت کے لئے بلایا جائے۔ اس اجتماع کے ذریعے اس مدرسے کی مرکزی حیثیت اور اہمیت بھی واضح ہوگی اور مدرسے کی اصل مقصد والی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے تجاویز بھی سوچی جاسکیں گی۔" تب حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا" آپ حضرات یہاں ٹھہریں اور اس جلسے کی تدبیر کریں۔"

چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کی ہدایت کے مطابق مولانا سندھی اور مولانا محمد صادقؒ نے دیوبند میں رہ کر کام کا آغاز کیا۔ دیوبند میں مولانا نے تقریباً چار سال قیام کیا۔ انھوں نے جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک جماعت قائم کی اور دیوبند کے قدیم طلبہ کی سیاسی تربیت اور دیگر قومی و سیاسی کاموں میں مصروف رہے۔ حضرت مولانا محمد صادقؒ صاحبؒ کے علاوہ مولانا ابومحمد احمد دہلوی اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری بانی انجمن خدام الدین لاہور جو حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، جمعیۃ الانصار کی تحریک تاسیس میں مولانا سندھی مرحوم کے شریک و معاون تھے۔

نظارۃ المعارف۔ دہلی اس زمانے میں مولانا سندھیؒ چونکہ کھل کر سیاسی میدان میں آ گئے تھے، وہ رات دن اسی فکر میں مشغول رہتے تھے۔ انھوں نے وابستگانِ دیوبند اور علماء کے حلقے میں سیاسی بیداری کی ایک تحریک پیدا کردی تھی۔ حضرت شیخ الہند کو ایک ایسے ہی سرفروش مجاہد اور انقلابی ذہن و فکر رکھنے والے کی مدت سے تلاش تھی۔ مولانا سندھیؒ کے اخلاص و ایثار سے وہ ان کے زمانہ طالب علمی سے واقف ہو گئے تھے۔ دوسرے سفر میں انھیں اپنے سیاسی کام میں شریک کرلیا تھا۔ لیکن ابھی ان کی تربیت و آزمائش کی ضرورت تھی اور اس سے پہلے انھیں کوئی کام سپرد کرنا حضرت کی دور اندیشی اور حکمت عملی کے خلاف تھا۔ اس لئے سندھ میں کام کا ایک پروگرام دے کر انھیں واپس بھیج دیا لیکن ان سے تعلق برابر رکھا، ان کے کاموں پر نظر رکھی، صلاح و مشورہ سے ان کی ہدایت فرماتے رہے، اور جب ان کی فکر پختہ اور سیرت میں استحکام پیدا ہوگیا۔ علم میں رسوخ اور عقائد سیاسی میں انھیں کامل درجے کا یقین حاصل

ہوگیا اور تقریباً دس سال تک انھیں ہرطرح قابل اعتماد پایا تو انھیں اپنے پاس بلالیا۔ ضرورت تھی کہ انھیں اپنے پاس رکھ کر تعلیم و تربیت کے ذریعے فکر و سیرت کا پہلو کامل طور پر مستحکم کردیا جائے۔ چنانچہ تقریباً چار سال تک انھیں دیوبند میں رہ کر کام کرنے کا موقع دیا۔ اور اب جبکہ یہ مقصد حاصل ہوگیا اور دیوبند میں رہ کر کام کرنے میں بعض مشکلات بھی پیش آرہی تھیں تو ۱۹۱۳ء میں انھیں دہلی جاکر کام کرنے کا حکم دیا اور ہندوستان کے مسلمان اکابر سے تعارف اور مسلمانوں کی کل ہند سطح کی سیاست سے واقفیت کا انتظام کردیا۔ تقریباً دو سال تک دارالحکومت دہلی میں رہ کر مولانا نے ہندوستان کی سیاست کا بہت غور اور قریب سے مطالعہ کیا۔ انھوں نے نظارۃ المعارف کے نام سے ایک مرکز بھی قائم کیا جس کے تحت جدید تعلیم یافتہ اور قدیم مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفے کے مطابق قرآن حکیم کی تعلیم دیتے تھے اور ان کی سیاسی تربیت بھی کرتے تھے۔

مولانا سندھیؒ نے اس زمانے میں قرآن حکیم کی انقلابی فکر پر مبنی تحریک استخلاص وطن کے سلسلے میں دو رسالے بھی لکھے تھے جنھیں حکومت نے ضبط کرلیا تھا۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے اور انھیں سخت خطرناک قرار دیا ہے۔

کل ہند قومی سیاست سے تعارف حضرت شیخ الہندؒ نے نظارۃ المعارف کے سرپرستوں میں حکیم اجمل خاں صاحب کے ساتھ نواب وقارالملک کو شامل کردیا تھا اور ڈاکٹر انصاری مرحوم سے تعارف کرا کے یہ انتظام کردیا تھا کہ وہ برصغیر کی مسلم قیادت سے جس کی باگ ڈور مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی مرحوم کے ہاتھوں میں تھی اور نواب صاحب مرحوم کے ذریعے حزب ولی اللہیؒ کی شاخ علی گڑھ کی سیاسی روح سے واقف ہوجائیں۔ حضرت شیخ الہند کے اس انتظام کا نتیجہ تھا مولانا سندھیؒ مسلمانان ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف ہوگئے اور رفتہ رفتہ کل ہند اسلامی سیاست کے نشیب و فراز سے پوری طرح آگاہ ہوگئے۔

مولانا سندھی مرحوم دو سال تک نظارۃ المعارف کے کام میں مصروف رہے اور یہ مصروفیت چونکہ ہندوستان کے علمی و سیاسی مرکز دہلی میں تھی اس لئے انھیں ملکی اور قومی سیاست کے اُتار چڑھاؤ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ دہلی میں رہ کر انھیں اندازہ ہوا کہ اب تک سندھ اور دیوبند

یں رہ کر وہ جو کام کرتے رہے تھے وہ کام درحقیقت ایک نہایت اہم اور ملک گیر تحریک کے سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ دہلی میں رہ کر انھیں بین الاسلامی اور بین الاقوامی سیاست کے نشیب و فراز کا اندازہ بھی ہوا۔ دہلی میں رہ کر کام کرنے کی ہدایت بھی دراصل حضرت شیخ الہندؒ کے منصوبے کی ایک کڑی تھی۔ حضرت ان سے آئندہ اور بہت بڑا اور اہم کام لینے والے تھے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس کام کے لئے ذہنی طور پر بھی تیار ہو جائیں۔ یہ تیاری بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ انھیں بین الاقوامی سیاست کے مرکز میں پہنچا دیا جائے۔

دہلی کے قیام سے مولانا سندھیؒ کو کئی فائدے پہنچے :۔

(۱) وہ حزب ولی اللّٰہی کی دوسری شاخ علیگڑھ کی سیاست اور اس کے اکابر کی اندازِ فکر سے واقف ہو گئے۔

(۲) کل ہند مسلم قیادت سے وہ نہ صرف واقف بلکہ ان کے ذاتی روابط پیدا ہو گئے۔

(۳) تحریک آزادی کی کل ہند سطح اور مختلف جماعتوں، ان کی قیادتوں اور ان کے نظریوں سے واقف ہو گئے۔

(۴) دہلی میں انھیں بین الاقوامی سیاست سے واقف ہونے کا بھی اچھا موقعہ ملا۔

مجموعی نظر | گزشتہ واقعات کی ترتیب پر سرسری نظر ڈال لینے سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ ایک سوچا اور سمجھا ہوا منصوبہ اور وہ اسی کے مطابق کسی اہم کام اور سیاسی منصوبے کے لئے مولانا سندھی مرحوم کی تربیت اور تیاری فرما رہے ہیں جو ابھی تک مولانا کی نظروں سے اوجھل تھا۔ مولانا سندھی مرحوم سے آئندہ جو کام حضرت لینا چاہتے تھے اس کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم و تربیت کے گزشتہ ادوار پر دوبارہ ایک سرسری نظر ڈال لی جائے :۔

○ زمانۂ طالب علمی میں حضرت شیخ الہندؒ کی توجہ اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک کا مولانا سندھی سے تعارف۔

○ مولانا کے سندھ واپس جانے کے بعد حضرتؒ کا ان سے تعلق رکھنا

○ ۱۸۹۸ء میں دیوبند کے سفر کے موقع پر ان کے سیاسی مشاغل کو تحریک اتحادِ اسلامی کی

ایک کڑی بنا دینا۔

○ مدرسہ دارالرشاد کے قیام میں مولانا کی رہنمائی اور ان سے تعلق۔

○ ۱۹۰۹ء میں انھیں دیوبند بلانا اور اپنے زیرِ نگرانی کام کرنے کی ہدایت اور اپنی خاص جماعت کی مرکزی طاقت سے مولانا کا تعارف۔

○ پھر دہلی جا کر کام کرنے کا حکم دینا، نظارۃ المعارف کے قیام میں ان کی مدد، اس کے سرپرستوں میں حکیم اجمل خاں کے ساتھ نواب وقار الملک کو برابر کے درجے پر شریک کرنا، ڈاکٹر مختار احمد انصاری سے تعارف، ایک ہی سلسلۂ تعلیم و تربیت کی مختلف کڑیاں تھیں۔

پچھلے صفحات میں مولانا سندھی مرحوم کی سیاسی تربیت کی جس ترتیب اور حضرت شیخ الہندؒ کی جس رہنمائی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ذہن کی اُپج یا محض منطق نہیں بلکہ ایک واقعی اور حقیقی ترتیب تھی جو زیرِ عمل رہی۔ تربیت کے مختلف مراحل اور ان کی ترتیب کے بارے میں خود مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

پہلا درجہ "حضرت شیخ الہندؒ سے جو خاص باتیں ہم نے سیکھی ہیں، ان میں سے ایک اہم چیز جہاد کا مسئلہ ہے۔ ہماری طالب علمی کے زمانے میں اس مسئلے پر ملک میں بڑی بحثیں ہو رہی تھیں۔ علی گڑھ پارٹی جہاد کے معنی نئے طریقے پر کرتی تھی اور اس سلسلے میں ایسے شبہات لاتی تھی جن کا جواب دینا آسان نہ تھا۔ خدا کے فضل سے ہمیں حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت کے فیض سے اس مسئلے میں پورا اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ علی گڑھ کے طلبہ سے اس معاملے میں اگر ہماری گفتگو ہوتی تو ہم انھیں جہاد کا مقصودِ اعلیٰ صحیح طرح سمجھا سکتے تھے۔"

دوسرا درجہ "توحید اور جہاد یہ دو چیزیں تھیں جن پر ہم طلبہ کو تعلیم دیتے وقت خاص زور دیتے تھے ...... امروٹ میں کچھ عرصہ پڑھانے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اپنے کام میں ہمارا درجہ بڑھا دیا اور ہمیں سندھ میں کام کرنے کا اور طریقہ بھی سمجھا دیا۔ ہم نے ان کے حسبِ ارشاد کام شروع کر دیا اور کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا کہ

ہم یہ کام حضرت شیخ الہندؒ کا بتایا ہوا کر رہے ہیں۔ بظاہر اس کام کو ہم اپنے نام سے کر رہے تھے لیکن میرے مشفق بزرگ حضرت صاحب امروٹی کو میرا اس طرح کام کرنا پسند نہ آیا۔ چنانچہ ہم مجبور ہو گئے کہ امروٹ کی بجائے گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدرآباد) میں دارالرشاد کے نام سے ایک مدرسہ بنائیں۔"

تربیت کے اس دوسرے درجے میں سندھ میں کام کرنے کا وہ کون سا طریقہ تھا جو حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا کو سمجھا دیا تھا لیکن حضرت مولانا تاج محمود امروٹی کو پسند نہ آیا تھا؟

میرا خیال ہے کہ یہ مطبع محمود المطابع کا قیام تھا اور رسالہ ہدایۃ الاخوان کا اجراء تھا۔ حضرت مولانا امروٹی ایک خاص بصیرت کے دور اندیش بزرگ تھے۔ انھوں نے سوچا ہوگا کہ مولانا سندھیؒ انقلابی ذہن و فکر کے حامل ہیں پھر جوانی کا عالم ہے، رسالہ نکال کر اپنے انقلابی خیالات کو چھپائے رکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رسالے کا تو مقصد اجراء ہی انقلابی خیالات کی اشاعت و تبلیغ ہے۔ اس لئے حکومت نہ ان کے خیالات سے زیادہ دنوں تک غافل رہ سکتی ہے نہ اسے نظر انداز کر سکتی ہے۔ اس صورت میں گرفتاری اور قید و بند کا خطرہ بھی بعید از قیاس نہ تھا لیکن اس صورت میں سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ نہ تو اس طرح اصحاب استعداد کی کوئی جماعت تیار ہو سکتی تھی اور نہ لوگوں کے اندر کوئی ذہنی و فکری انقلاب لایا جا سکتا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ مہلت ملے۔ اور اگر لوگوں میں کوئی ذہنی انقلاب نہ لایا جا سکے تو تعلیم و تربیت سے ایک ایسی جماعت تیار ہو چکی ہو۔ جو قید و بند کی صورت میں ان کے پیچھے کام کو جاری رکھ سکے۔

کام کرنے کی طویل سے طویل مہلت اسی صورت میں مل سکتی تھی کہ رسالے کو اپنے انقلابی خیالات کی اشاعت و اظہار کا ذریعہ بنانے کے بجائے طلبہ کی ایک مخصوص جماعت کو تعلیم و تربیت کا موضوع بنایا جائے اور قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر جہاد یا انقلاب کی دعوت دی جائے۔

پس اگر مولانا تاج محمود امروٹی علیہ الرحمہ نے رسالے کے اجراء اور افکار کی اشاعت کے